خواب ساتھ رہنے دو

ناول

سعدیہ عزیز فریدی

خواب ساتھ رہنے دو

از

سعدیہ عزیز آفریدی

Released on 2008

ناول کا آغاز

تمہیں کبھی اس بات کا احساس ہوا ہے کہ لوگ تمہیں ٹشو پیپر کی طرح استعمال کر کے ڈسٹ بن کی نذر کر جاتے ہیں۔تم نے کبھی کسی کو اپنے لیے پلٹتے دیکھا ہے۔کوئی ایک ہی نام گنوا دو جو صرف تمہارے لیے آیا ہو۔

ہائم ہارون نے نہایت غصے سے صفیہ حماد کو دیکھا وہ انہماک سے میگزین کے صفحات الٹ رہی تھی۔ہائم کو اپنے غصے پر قابو پانا دشوار لگ رہا تھا۔

وہ کافی کا مگ ٹیبل پر رکھ کر اس کے سامنے آیا پھر غصے سے چبا کر بولا۔

صفیہ تمہیں معلوم بھی ہے عزت نفس کس چڑیا کا نام ہے۔

صفیہ نے پہلی بار سر اٹھا کر اسے دیکھا ہلکی سی نمی آنکھوں میں تھی۔اس نے حیرت سے دیکھا۔

تم رو رہی ہو۔۔۔۔اس کا سارا غصہ صابن کے جھاگ کی طرح بیٹھ گیا۔وہ تیزی سے اس کی طرف آیا۔

تم کیوں رو رہی ہو کیا میری باتیں بُری لگتی ہیں۔

اس نے نفی میں سر ہلایا پھر بھرائے ہوئے لہجے میں بولی۔

ہائم مجھے لگتا ہے اب میں تم پر بوجھ بن گئی ہوں۔

بکواس مت کرو بظاہر ہمارا خون کا رشتہ نہ سہی لیکن ہم نے ایک ہی ماں کا دودھ پیا ہے اس حساب سے تم خود بخود ہماری ذمہ داریاں ہو اور ہائم ہارون کبھی ذمہ داریوں سے نہیں بھاگتا

ہاں بس مجھے ٹینس کر رہی تھی تو ایک بات کہ اپنا گھر ہوتے ہوئے تم کرائے کے گھر میں کیوں رہ رہی تھیں۔

وہ بس یونہی ایک ہی گھر میں رہتے رہتے جی اُکتا گیا تھا کسی گھر میں مہمان ہوئے عرصہ گزر گیا سوچا گھر بدل کر دیکھتے ہیں۔

بکواس مت کرو۔

یکدم لگا ہائم ہارون کو پھر سے کسی بچھو نے ڈنک مار دیا وہ غصیلی نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔

مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم نے اپنا گھر کسی کولیگ کو دے رکھا ہے اور وہ بھی مفت۔اس نے سر جُھکا لیا پھر ہنس کر بولی۔

وہ عالیان اپنی امی اور بہنوں کو شہر بلانا چاہتا تھا۔وہ اپنی بہنوں کو پڑھانا چاہتا ہے لیکن اس کے پاس کوئی گھر نہیں تھا۔کرائے کا گھر لینے کی اس کی حثیت نہیں تھی اس لیے میں نے کہا تم میرا گھر لے لو میں تو اکیلی ہوں کہیں بھی جا کر رہ لوں گی۔

تم کہیں بھی جا کر رہ لو گی تم خود کو کیا سمجھتی ہو کیا نیکیاں کمانے کا تمہیں بہت شوق ہے۔کیا تمہیں معلوم نہیں ہے اکیلی لڑکی ویسے ہی ہر انسان کے لیے مفت کا مال ہوتی ہے اور تم اپنے پرانے محلے کو چھوڑ کر وہاں کہاں رہنے لگی تھیں اور رہ بھی رہی تھیں تو کرایہ نہ دینا کہاں کی عقل مندی ہے تمہیں پتا ہے اگر میں بروقت نہ پہنچتا تو تمہارا سارا سامان سڑک پر رکھ دیا جاتا۔وہ کچھ نہ بولی مگر اس نے اس کے چہرے سے نظر نہیں ہٹائی۔

میں نے تم سے کچھ پوچھا ہے خالہ کے گزر جانے کی تم مجھے اطلاع نہیں دے سکتی تھیں جانے کہاں کہاں ماری پھرتی رہیں سیدھا سیدھا مجھے فون نہیں کر سکتی تھیں میرا دفتر گھر فارم ہاؤس ہر جگہ کا نمبر تھا تمہارے پاس۔

تھا تو لیکن ہائم بھائی میری عقل میں کچھ خرابی ہے۔

مطلب اس کا ادھورا جملہ ایک نئی حیرت کا در کھول رہا تھا وہ مسکینی سے بولی۔

مطلب یہی ہائم بھائی کسی غیر کے آگے ہاتھ پھیلانا آسان ہوتا ہے نا کہ کسی اپنے کے آگے دامن پھیلانا غیر سے آپ دوبارہ ملیں نہ ملیں لیکن اپنے سے کبھی نہ کبھی ٹاکرا ہونے کا امکان رہتا ہے یعنی ساری زندگی آنکھیں ہی نیچی کر کے بیٹھے رہیں۔

تم انتہائی احمق لڑکی ہو ویسے یہ تو بتاؤ تم نے تین مہینے کا کرایہ کیوں نہیں دیا تھا۔تمہیں تنخواہ تو ہر مال ملتی رہی تھی۔

اس نے ہائم کی طرف دیکھا پھر منمنائی۔

بس اس گھر سے میرا دل بھر گیا تھا میں یہی چاہتی تھی کہ وہاں سے مالک مکان مجھے نکال دے۔

تم سچ کہہ رہی ہو۔۔۔وہ شکی انداز سے اسے دیکھنے لگا اس نے اثبات میں سر ہلایا تو اس نے اس کے ہاتھ پر اپنے گھر کی چابیاں رکھیں پھر متانت سے بولا۔

جب تک میں ہوں ٹھیک ہے لیکن میرے بعد اس گھر کو تم ہی لک آفٹر کرنا اور میں اب تمہیں ادھر ادھر کہیں دھکے کھاتا نہ دیکھوں۔ یہ گھر میرا ابھی ہے تمہارا ابھی۔

اس نے پہلی بار نظر اٹھا کر اسے دیکھا پھر سنجیدگی سے بولی۔

لک آفٹر والی بات ٹھیک ہے مگر یہ اپنے اور میرے گھر کا قصہ مت ڈالو۔ مجھے یہ سب کچھ فضول لگتا ہے۔کون سا رشتہ اچھا ہے کون سا برا ہے مجھے تو اس کی بھی سمجھ نہیں لیکن میں ملازمہ کے طور پر بہت اچھی زمہ داری نبھا سکتی ہوں۔ چند ثانیئے کو رکی پھر بھرائے ہوئے لہجے میں بولی۔

تم پندرہ سال سے انگلینڈ میں ہو اور اماں کو گئے ہوئے آٹھ سال ہو گئے مجھے دھکے کھانے کا خاصا تجربہ ہو چکا ہے۔رہی عزت نفس تو غربت میں اس جذبہ کی آوازیں بھی مردہ ہو جاتی ہے۔

تم۔۔۔میں تمہیں شاید کبھی نہیں سمجھ سکوں گا صفیہ۔تاسف سے اس نے اسے دیکھا۔ ہولے سے اس کے سر پر ہاتھ رکھا پھر یکدم پُشت موڑ لیا اور تیز تیز قدم اُٹھاتا ہوا باہر نکلتا چلا گیا۔ پھر وہ صفیہ کو اپنے گھر لے آیا ایک کمرے میں اس نے اپنا ٹھکانہ کر لیا۔کوئی تیسرے چوتھے دن کی بات ہے کہ وہ لال پیلا ہوا کھڑا تھا۔

یہ جنید احمد کون ہے۔کہتا ہے وہ تمہیں بہت عرصے سے جانتا ہے۔ لہجے میں افسوس تھا اور صفیہ حماد کھانا کھاتی رہی جیسے یہ اس کے لیے معمول کی کاروائی ہو۔

تم نے اسے اس گھر کا پتا دیا تھا۔اس نے سر نفی میں ہلا دیا پھر دھیرے سے بولی۔

شاید اس نے عالیان سے لے لیا ہوگا میں نے تو صرف اسے ہی یہ پتا دیا تھا۔

عالیان۔۔۔۔۔یہ کون ذات شریف ہیں۔اس نے جگ سے پانی گلاس میں انڈیلا

اور رسانیت سے بولی۔

وہی ہے جسے میں نے اماں والا گھر رہنے کو دیا ہے۔۔۔۔

اماں کا گھر۔۔۔۔۔۔۔۔بہت اچھا ہوا تم نے یاد دلایا۔ میں کل ہی جا کر قبضہ بھی ختم کراتا ہوں۔ بہت ہوگئی دریا دلی۔

اس کے چہرے پر کشمکش نظر آئی یکدم اس نے ہائم کا ہاتھ تھام کر بیبسی سے کہا۔

میں نے کل آپ سے جھوٹ کہا تھا۔ وہ گھر میں نے اسے ایسے ہی رہنے کے لیے نہیں دیا تھا۔ دراصل اماں کی بیماراتنی بڑھ گئی تھی کہ ان کی ٹریٹمنٹ کے لیے مجھے بہت زیادہ قرض لینا پڑا ان دنوں مجھے آپ کے اور اپنے رشتے کا بہت گمان تھا اس لیے میں نے آپ کو فیکس بھیجا فون کیے لیکن کوئی ریپلائی نہیں ملا بس پھر مجھے ان آٹھ سالوں کے قرض اتارنے کے لیے اپنا گھر بیچنا پڑا صرف چند جوڑے کپڑے رکھ سکی تھی۔ سب سے زیادہ قرضہ ریاض صاحب کا تھا اس لیے یہ گھر ان کے قبضے میں چلا گیا۔ کچھ زیور بنایا تھا اماں نے میرا وہ بیچا تو باقی کا قرضہ کلئیر ہوا رہا عالیان تو اسے کرایہ دیتی تھی۔ میں نے جھوٹ بولا تھا کہ وہ معاشی طور پر کمزور ہے۔

ہائم ہارون پوری آنکھیں کھولے اسے حیرت سے دیکھ رہا تھا۔

تم نے جھوٹ کب سے بولنا شروع کیا

اس نے سر جھکا لیا پھر گلوگیر لہجے میں بولی۔

دنیا میں اکیلا ہونا بہت بری کیفیت کا نام ہے۔ جھوٹ خود بخود بولنا آتا جاتا ہے۔ بولنا

پڑتا ہے ہائم بھائی۔

تم نے واقعی مجھے ای میل فیکس اور فون کیے تھے۔۔۔۔اس نے اسے کندھوں سے تھام کر سخت لہجے میں

پوچھا تو وہ روپڑی پھر نفی میں سر ہلا کر بولی۔ مجھے اچھا نہیں لگا تھا کہ میں آپ کے آگے ہاتھ پھیلاؤں۔ مجھے لگ رہا تھا جو اماں نے آپ کو دودھ پلایا ہے میں اس کا سود لے رہی ہوں یا لینے کے بارے میں سوچ رہی ہوں ہارم ہارون نے کہا۔

تم اول درجے کی پاگل لڑکی ہو میں تمہیں شاید کبھی نہیں سمجھ سکوں گا لیکن اب میں چھ ماں پاکستان میں ہی رہوں گا۔

آپ پاکستان میں رہیں گے تو وہ فائزہ بھابھی کیا کریں گی۔

فائزہ۔۔۔۔اس نے یکدم سوچا اور اس کے چہرے پر تناؤ آ گیا۔

چھوڑو، ہم کچھ اور باتیں کرتے ہیں۔ یہ بتاؤ تمہاری کہیں بات طے ہوئی تھی

وہ ہنسنے لگی مگر اس ہنسی میں آنکھیں رونے لگی تھیں۔ جیسے کچھ جھوٹ دل بولتے بولتے تھک جائے۔ کبھی آنکھیں جھوٹ بول دیں مگر کبھی یوں بھی ہوتا ہے دل آنکھوں میں آکر بیٹھ جائے تو آنکھیں بھی جھوٹ نہیں بول سکتیں سو وہ بھی سچ ہوگئی تھیں۔

روکیوں رہی ہو اس نے پلو سے آنسو پونچھے پھر مغموم مسکراہٹ لیے بولی۔

بس ویسے ہی جب کرنے کچھ نہیں ہوتا تو رونے لگتی ہوں جسے اس سے کسی کا دل پگھل

جائے گا۔مگرایسا ہمیشہ نہیں ہوتا۔

کون ہے وہ جس کا دل تمہارے آنسوؤں سے بھی نہیں پگھل رہا ایک دفعہ روبرو تو کرکے دیکھو۔کان سے پکڑ کر نہ لایا تو۔۔۔کمینہ۔

نہیں لا سکتے۔آپ اسے نہیں لا سکتے۔۔وہ یکدم تیز قدموں سے ڈرائینگ روم سے نکل گئی وہ حیرت سے اسے جاتا دیکھتا رہا پھر وہ اٹھا اور پنی یہاں کی کمپنی کی برانچ جانے کے لیے گلی سے باہر آ کر اس نے کسی کی پشت دیکھی۔

یہ کون ہوسکتا ہے جو میری غیر موجودگی میں یہاں آ رہا ہے۔اس نے ایک لمحے سوچا اور خاموشی سے کار کو یوٹرن دے کر واپس لے آیا۔

گیٹ کُھلا تھا ابھی اسے یہاں آئے پندرہ دن ہوئے تھے اس لیے ایک پرانے ملازم کے علاوہ نئے ملازمین نہیں رکھے تھے سو گیٹ پر کوئی موجود نہں تھا۔وہ چپکے سے اندر داخل ہوا۔ ڈرائینگ روم کے اندر سے صفیہ کی آواز صاف سنائی دے رہی تھی۔

سوری جنید صاحب آپؐ کو غلط فہمی ہوئی ہے یہ میرا گھر نہیں ہے۔ میں یہاں جز وقتی ملازمہ ہوں سرونٹ کواٹر میں رہتی ہوں صاحب باہر چلے جائیں گے تو مجھے اس بنگلے کی دیکھ بھال کرنا ہوگی آؐپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ ہائم ہارون سے ہمارا کوئی رشتہ نہیں ہے۔ وہ صرف مالک ہیں یہاں کے اور میں ملازمہ۔۔۔۔

ہائم ہارون تلملا کر رہ گیا یہ لڑکی۔۔۔۔یا تو پاگل ہے یا پاگل کرنے میں کمال ہنر رکھتی ہے

اور یہ جنید اسے کیا ضرورت پڑی میری جاسوسی کرنے کی۔وہ اندر جانے کا ارادہ ترک کرکے شام پر یہ معاملہ اٹھا کر واپس اپنے پروگرام کے تحت دفتر کے لیے روانہ ہوگیا۔لیکن دھیان گھر ہی میں اٹکا رہا تھا سو شام کے جب وہ شاور لے کر ٹیرس پر چائے کا انتظار کر رہا تھا تو چائے پیش کرنے کے انداز پر وہ بھنا گیا۔

تم میری ملازمہ ہو اس نے چونک کر دیکھا۔

یہ آپ سے کس نے کہا ہائم بھائی۔

مجھ سے کس نے کہا۔وہ یکدم کرسی چھوڑ کر کھڑا ہوگیا پھر تنتناتے ہوئے بولا۔

تم نے ہی کہا تھا کہ یہ تمہارا گھر نہیں ہے تم یہاں صرف ملازمہ ہو اور میں صرف تمہارا مالک۔تم یہاں اس گھر کو لک آفٹر کرنے کے لیے جُز وقتی ملازمہ کے طور پر ہائر کی گئی ہو۔چائے میں چینی ڈالتے ڈالتے اس کے ہاتھ رک گئے۔

آپ نے باتیں کس سے سنی ہیں۔۔۔۔

آنکھوں میں کرب تھا جیسے اپنے اوپر شک کیے جانے کا ملال۔ ہر بات ہر سوال جواب سے بڑھ کر تھا۔ ہائم ہارون اس کی آنکھوں کے تاثرات سے گھبرا کر گڑبڑا گیا تھا مگر پھر بھی سلیقے سے جھوٹ بولنے لگا ایک ضروری فائل رہ گئی تھی وہی لینے واپس آیا تھا بس تب ہی یہ جملے پڑے تھے کانوں میں۔لیکن یہ جنید یہ آخر ہے کون جو سر پر سوار ہونا چاہ رہا تھا۔

میرے بُرے دنوں میں تھوڑی سی مدد کی تھی اس لیے شاید چاہتا ہے اب میں اس کی اچھے

طریقے سے مدد کروں۔ کچھ پیسوں کا طلبگار رہو رہا تھا۔ مگر میں نے کہہ دیا۔ میرے پاس دینے کے لیے کچھ نہیں ہے بھلا پچاس ہزار کہاں سے دوں اسے۔

اگر وہ واقعی ضرورت مند ہے تو میں تمہیں چیک دے سکتا ہوں۔۔۔۔ ہائم ہارون کا لہجہ بہتر ہوا۔ وہ افسردہ لہجے میں بولی۔

بھلے آپ کو اچھا لگے یا برا لیکن آپ مجھے اپنا عادی مت بنائیں مجھے ویسے ہی رف زندگی جینے کی عادت پڑ گئی ہے کرائے کی فکر بجلی پانی گیس کا بل میری زندگی ان خانوں میں اتنی بٹ چکی ہے کہ میں اب سمٹ نہیں سکتی۔ یہاں بھی میں ایک کمرے کا کرایہ دینے کے برابر محنت کرنا چاہوں گی۔

بہت چھوٹی تھی جب ابا نے دوسری عورت کے لیے گھر چھوڑا یہاں ابا کو کما کر ہمیں دینا پڑتا تھا لیکن اس گھر میں ان کی بیوی کما کر لاتی تھی اور وہ کھاتے تھے۔ یہی وجہ تھی وہ عادی ہو گئے پھر کسی دن ایسے ہی مر گئے جیسے جیتے رہے تھے۔ اماں نے موت کی خبر سنی تو رونا چاہا میں نے تب پہلی بار کہا۔

آپ کو لگتا ہے اماں میرے ابا زندہ بھی تھے۔۔۔۔

اماں کو یہ بات سمجھ آ گئی پھر وہ کبھی نہ روئیں لیکن رات کو ان کی آنکھوں کے آنسو میرا تکیہ بھگوتے رہتے تھے۔ پھر میں صبح نوکری پر جاتی تو گلی سے گزرتے ہوئے ہزار طرح کی نظریں فقرے جملے برداشت کرنے پڑتے دفتر میں ہر لڑکی ایک پُرسکون گھر کے قصے سناتی تو میں

جھوٹ بولتی رہتی۔ سارا دن جھوٹ بولتے بولتے پھر عادت بن گئی مگر کسی نہ کسی طرح سچ آ ہی جاتا ہے سامنے۔ سو میری کیس ہسٹری بھی میری ایک ساتھی ورکر کی وجہ سے دفتر میں کھُل گئی ہر شخص مجھ سے عجیب سا سلوک کرتا مگر نوکری میری مجبوری تھی مجھے تو یہ سب برداشت کرنا تھا پھر اماں بیمار پڑ گئیں اس کے بعد کے حالات تو آپ جانتے ہیں یہ جنید ان ہی دنوں میری خبر گیری کرنے آتے تھے۔ محلے میں اسکینڈل بن گیا تھا میں نے انکار کیا مگر بعد میں پتا چلا یہ شخص خود میری بدنامی کر رہا تھا سارے جھوٹے قصے اس نے سنائے تھے تب میں نے پہلی بار اپنی شرم و حیا طاق پر رکھ کر کہا تھا کیا تم مجھ سے شادی کرو گے۔ اس بدنامی کو جو تم نے پھیلائی ہے خود سمیٹو گے تب اس نے پیٹھ دکھا دی تھی مجھ سے جو قرض کے نام پر رقم لیا کرتا تھا پتا چلا صرف میں اسی کے لیے اس کی نظر میں ضروری تھی۔ اس دن میں چلچلاتی دھوپ میں اکیلی کھڑی تھی اور اس جنید نے کہا تھا۔

میں تم جیسی لڑکی سے شادی کروں۔ جو میرے ساتھ لنچ پر جاتی ہے شام کو دیر دیر تم مجھ سے باتیں کرتی ہے۔ تمہارا کردار تمہارے باپ کی طرح ہے۔ وہ جونشئی تھا۔ مجھے تم سے کوئی تعلق نہیں رکھنا۔

اور اب اسے آپ کے آنے کا پتا چلا ہے تو وہ آپ کے نام کی عزت ادھار مانگنے مجھ سے چلا آیا ہے نوکری چھوٹ گئی ہے اس کی مگر میں اس کی کوئی مدد نہیں کر سکتی۔ ہائم بھائی اسے آپ کمینگی سمجھیں یا کچھ اور لیکن میں اس شخص کے کسی کام نہیں آنا چاہتی۔

ہائم ہارون نے نرم تاثرات سے اسے دیکھا پھر ملائیمت سے بولا۔

لیکن صفیہ کسی کی مدد کرنا اچھا کام ہے کسی نے برا کیا ہے تو ہم بھی وہی جواب دیں تو اس میں اور ہم میں کیا فرق رہ جائے گا۔صفیہ حماد نے چہرہ دونوں ہاتھوں میں چُھپا لیا وہ بے آواز روئے جا رہی تھی۔

اب کیا ہو گیا میری بہنا ایک تو تمہارے پاس آنسوؤں کی مقدار بہت زیادہ ہے۔

اس نے سنے بغیر بھرائے لہجے میں کہا شاید اماں کے آنسو اب تک میری آنکھوں میں رکے ہوئے ہیں۔

کبھی میں روتی ہوں کبھی اماں رونے لگتی ہیں اور آنسو ہین کہ ختم ہی نہیں ہوتے۔ پھر بولی۔

آپ کو پتا ہے وہ یہاں صرف پیسے لینے نہیں آیا تھا۔ بلکہ یہ ساری تصویریں لے کر آیا تھا تا کہ آپ کو بلیک میل کر کے رقم بٹور سکے اس کا خیال ہے آپ جیسے امیر آدمی کی بہن کی بدنامی واقعی کوئی دھما کہ خیز خبر ہوگی۔ ہائم ہارون کی پیشانی پر تاسف کے قطرے اُبھرنے لگے۔ اسے اس لڑکی پر پھر سے حیرت ہونے لگی اسے اپنی بدنامی کا کوئی خوف نہیں تھا۔

ہر تصویر میں وہ مختلف لڑکوں کے ساتھ گھومتے پھرتے لنچ کرتے ہوئے دکھائی گئی تھی۔

یہ سب کون ہیں۔۔۔۔

جھوٹ۔۔۔۔صرف دھوکہ۔۔۔۔اس مختصر جواب پہ وہ کھڑے سے بیٹھ گیا پھر کہنے

لگا۔

ان تصویروں میں جھوٹ کون ہے

اس نے ایک تصویر اٹھائی پھر سامنے رکھے اپنے بیگ سے پین نکال کر تصویر کے دونوں سرے پر سرکل بنا دیے پھر بولی۔

دھوکہ یہ بھی ہے اور میں بھی دراصل جب میرے پاس تنہائی کے سوا کچھ نہی تھا۔ میری ایک دوست نے مشورہ دیا تھا کہ گھر بسا لو۔

میں گھر بسانا چاہتی تھی لیکن ہمارے درمیان خوامخواہ محبت کا دھوکہ آن بیٹھا مجھے محبت سے کوئی سروکار نہیں تھا لیکن لوگ کہتے ہیں یہ کوئی بہت سرپرائز نگ فیلنگ ہے مجھے تو دنیا میں یہ کہیں نہ ملی۔

آپ کو کبھی ملی ہے یہ سوالیہ نظروں سے دیکھا تو بنا کوشش کے ہائم ہارون کی آنکھوں میں فائزہ کا عکس لہرا گیا۔

جب وہ پاکستان آیا تھا تو اس بات کا دور دور تک علم نہیں تھا کہ وہ کسی جھمیلے میں پڑے گا دراصل وہ وہاں کے حالات سے تنگ آ کر فائزہ کی خفگی سے خفا ہر کر پاکستان کی پناہ میں آیا تھا۔

کیونکہ اسے لگتا تھا اگر وہ کچھ دنوں اور اس کے ساتھ رہا تو شاید انہیں ہمیشہ کے لیے بچھڑنے سے کوئی نہیں روک سکتا فائزہ کو کچھ ناعاقبت اندیش دوستوں نے غلط فہمی کے شیشے میں

اتار لیا تھا اور اب وہ اس کے آگے کچھ نہ سوچتی تھی انجلینا اس کے لیے صرف ایک دکھی لڑکی تھی جس کی حتی المقدور مدد کرتے رہنا چاہتا تھا اور کرتا بھی تھا مگر بات کہیں سے کہیں جا پہنچی تھی۔

اس نے پہلے تو غلط فہمی کو دور کرنے کی کوشش کی پھر اس خیال سے خود کو آزاد کر کے وہی کرنے لگا۔

جو اسے ٹھیک لگتا تھا لیکن کام کی تھکن جب جیون ساتھی کے خراب رویے سے بڑھنے لگے تو وہ ہی فیصلے رہ جاتے ہیں یا جیون ساتھ کو چھوڑ دیا جائے یا عارضی طور پر اس ماحول سے کنارہ کشی اختیار کر لی جائے۔ پہلا فیصلہ دل کے لیے مشکل تھا اس لیے وہ دوسرا فیصلہ کر کے پاکستان آ گیا۔

محبت کے لیے وہ بہت نرم جذبات رکھتا تھا مگر جب یہاں آیا تو اس کا خیال تھا۔ یہ جذبہ دنیا میں صرف پرانی داستانوں کی حد تک ضرور ہے مگر اسے زندگی کا اوڑھنا بچھونا ہی سمجھ لینا زندگی گزارنے کے لیے بالکل غلط ہے۔ وہ اسی بات پر عمل پیرا تھا کہ اچانک کچھ پرانے کاغذات میں کچھ پرانے خطوط تصویروں نے اس کے ہاتھ روک دیے وہ حال سے ماضی میں چلے گئے تو اسے محسوس ہوا محبت کچھ اتنی عنقا بھی نہیں کہ دریافت نہ کی جا سکے۔

خود اس کا وجود عائشہ خالہ کی محبت کے قرض سے بندھا ہوا تھا۔ عائشہ خالہ یاد آئیں تو اس نے پتا ڈھونڈ کر ان کی تلاش شروع کی وہاں سے مایوس ہوا تو کسی نہ کسی طرح اس کے موجودہ پتے تک پہنچا اور جب پہنچا تو اس کا سامان اٹھا اٹھا کر باہر پھینکا جا رہا تھا۔

وہ اکیلی کھڑی تھی اور بہت مطمئن انداز میں اس کاروائی کو دیکھ رہی تھی جیسے یہ سب کسی اور کی زندگی کا دکھ ہے یا یہ کسی ڈرامے یا فلم کی سچویشن ہے جس پر چند ثانیے کے لیے دل دہلتا ہے اور بس۔ اور بس آ غے کسی اچھے موڑ سے دل شادمان ہو جاتا ہے۔

اس نے ساری کاروائی پر اپنے غصے کا بھرپور اظہار کیا معلومات کیں تو پتا چلا مالک مکان نے یہ گھر جسے بیچ دیا تھا یہ اس کی خانہ پری کی کاروائی تھی۔ اس نے فوراً رابطہ کیا تھا اور اس مالک مکان سے منہ مانگے داموں پر وہ گھر خرید لیا تھا مگر یہ بات اس نے صفیہ حماد کو نہیں بتائی تھی۔ گھر کا سامان واپس گھر میں رکھوا کر گھر کو تالا لگا کر وہ اسے لیے اپنے گھر میں آ گیا تھا اور بس تب سے نئی سے نئی الجھنیں اس کے لیے تیار کھڑی تھیں۔

ٹرن ٹرن۔۔۔۔فون کی بیل بجی اور وہ یکدم جُھر جُھری لے کر ہوش و خرد کی دنیا میں لوٹا سی ایل آئی پر نمبر دیکھ کر اس نے فون کو میسیج مشین پر منتقل کر دیا۔

آواز فائزہ کی تھی وہ بہت زیادہ ہراساں اور پریشان تھی اس کے چھوڑ دینے کا خوف اس کے اندر سرائیت کر گیا تھا۔ فائزہ کا خوف۔۔۔۔۔۔۔۔اس کے ہونٹوں نے ہنسی کو چھوا، ایک دم اسے لگا اس کے اور فائزہ کے بندھن پھر سے کسے جا رہے ہیں۔

محبت اور محبت کا جذبہ میرے ساتھ ہے۔ دل کو بس یونہی ایقان ہوا اور اس نے ہلکے پھلکے انداز میں خود کو پرسکون کرتے ہوئے صفیہ کو تلاش شروع کی۔ وہ حسب توقع کچن میں ملی۔

کھانا پکانا تمہاری ذمہ داری نہیں ہے۔ میں نے گھر کے لیے ایک اچھے کک مالی اور

چوکیدار کے لیے اشتہار دے دیا ہے کل تک یہ فائینل ہو جائے گا سو۔

وہ اس کے پاس پہنچا پھر دونوں کندھوں سے اسے تھام کر مزید بولا۔

سو بہنا جب تک کھانا باہر کا چلے گا۔تم کوئی باورچن ہو۔مت گھسا کرو اتنی گرمی مین کچن میں چلو باہر چلو۔وہ اسے باہر نکال کر لایا پھر رسان سے بولا۔

اچھے سے کپڑے پہن کر آؤ۔ہم باہر کھانا کھانے جا رہے ہیں۔

اچھے سے کپڑے۔۔۔۔اس نے سوالیہ دیکھا اور ہائم ہارون کے اس سوال میں چھپی حسرت سمجھنے میں دیر نہیں لگی۔

چلو چلو کوئی سا بھی پہن لو تم پر تو ہر کپڑا سوٹ کرتا ہے جاؤ صرف دس منٹ دے رہا ہوں تمہیں۔گاڑی نکال رہا ہوں دس منٹ بعد پہنچیں تو تم اور میں بھوکے سو جائیں گے۔

مجھے تو عادت ہے لیکن خیر آپ کی خاطر دس منٹ ہی صرف کروں گی۔ادھورا جملہ اداس لہجہ۔

اس نے اپنا سر پکڑ لیا اور تیز قدموں سے باہر کی سمت قدم بڑھا دیے پھر پہلے انہوں نے کھانا کھایا تھا اور آئس کریم کھلا کر وہ اسے ایک اچھے بوتیک میں لے گیا۔

پلیز ہائم بھائی یہاں نہیں کسی عام سے بوتیک میں چلتے ہیں۔

بکومت۔تم میری بہن ہو اس لیے تمھیں کوئی اعتراض نہیں کرنا چاہیے۔وہ بمشکل دو سوٹ پسند کر پائی تھی کہ بل پے کرتے وقت اس کی آنکھوں میں حیرت در آئی۔

کوئی دس پندرہ کے قریب سوٹ تھے۔

ہائم ہاروں نے کریڈٹ کارڈ پیمنٹ کے لیے آگے بڑھایا اور اس کی آنکھیں شکوے سے اس پر آ ٹکی تھیں۔

آپ کو اتنی فضول خرچی کی ضرورت نہیں تھی ہائم بھائی مجھے اتنے مہنگے کپڑے پہننے کی عادت نہیں ہے۔

ہائم ہارون نے کچھ کہے بغیر فرنٹ ڈور کھولا اور وہ اندر بیٹھ گئی پھر راستے بھر ان دونوں کے درمیان کوئی بات نہیں ہوئی وہ شاپر لے کر اس کے کمرے تک آیا تھا مگر اس کا کمرہ بیتر تیبی کا اعلا نمونہ پیش کر رہا تھا۔ایک ہفتے پہلے جب تک اس سا سامان بندھا پڑا تھا۔یہ کمرہ رہنے کے لائق تھا سامان کھلنے کے بعد تو یہاں سانس لینا دشوار لگتا تھا۔

پھر دوسرے دن وہ اپنے دفتر میں بیٹھا تھا جب دفتر کے ایک پرانے ملازم عارف مبارک اس کے کیبن میں داخل ہوئے پہلے دفتری معاملات پر چلتی رہی فائیلوں پر دستخط ہوتے رہے۔ پھر کچھ دیر بعد یو یونہی ساکت بیٹھے رہے۔ان کے انداز سے لگتا تھا وہ کچھ کہنے اور نہ کہنے کی کیفیت میں مبتلا ہیں۔ہائم سر جھکائے مصروف تھا یکدم بجیالی میں سر اٹھایا تو ان پر نظر ٹھہر کر رہ گئی۔

آپ کچھ کہنا چاہتے ہیں مسٹر عارف۔۔۔۔اس نے نرمی سے پوچھا اور وہ دھیرے سے بولے۔

کہنا تو چاہتا ہوں لیکن دفتری معاملہ نہیں ہے مسٹر ہائم اس لیے ڈرتا ہوں کہیں آپ کو میری جسارت بری نہ لگے۔

اسے نہیں مسٹر عارف آپ میرے شیئر پرسن ہیں آپ کی کوئی بات مجھے بری نہیں لگ سکتی ہے آپ بلا جھجک کہیے آپ کا مشورہ میرے حق ہی میں ہوگا۔

اتنی عزت دینے کا شکریہ۔۔۔انہوں نے توقف کیا پھر کچھ ساعت کے بعد بولے۔

سر آپ کے ساتھ کل ایک لڑکی تھی وہ۔۔۔وہ جھجک کر چپ ہوگئے اور ہائم کی ساری حسیات بیدار ہوگئیں۔

آپ اس لڑکی کے متعلق کیا کہنا چاہتے ہیں۔

اس نے بولنے کے لیے فری ہینڈ دیا اور مسٹر عارف نے لمبی سانس کھینچ کر ابتدا کی سر یہ لڑکی سائیکو کیس ہے ہماری کمپنی میں ایک نوجوان کام کرتا تھا جازی اویس۔

بہت محنتی بہت سنجیدہ مزاج اور ان دنوں یہ لڑکی بھی اسی کمپنی میں سیلز سپروائیزر ہوا کرتی تھی۔دونوں بہت اچھے دوست تھے۔دونوں طرف بزرگ نہیں تھے اس لیے ان دونوں کی منگنی ہم سب نے مل کر طے کروائی تھی۔ایک سال بعد شادی ہونا تھی کہ اچانک ایک روڈ ایکسیڈنٹ میں جازی کی موت ہوگئی۔تب سے اس نے بھی یہاں سے نوکری چھوڑ دی مگر سننے میں آیا ہے لڑکی کا دماغ اس حادثے سے متاثر ہوا ہے مگر سر یہ آپ کے ساتھ کیوں تھی کا سوال زبان پر نہیں آسکا تھا مگر آنکھوں میں در کیوں آیا تھا تب اس نے سنجیدگی سے کہا۔

وہ میری دودھ شریک بہن ہے مسٹر عارف۔

مسٹر عارف نے گہرا سانس کھینچا اور اٹھ کر باہر چلے گئے شام گئے وہ واپس لوٹا تو وہ بہت بے چینی سے اس کا انتظار کر رہی تھی۔

کہاں رہ گئے تھے ہائم بھائی میں نے دفتر فون کیا۔آپ ایک گھنٹہ پہلے دفتر سے نکل گئے تھے لیکن گھر پہنچنے میں اتنی دیر۔

ہاں میں مسٹر عارف کے ساتھ قبرستان چلا گیا تھا۔

قبرستان۔۔۔کیا خالہ کی قبر پر۔۔۔اس نے نفی میں سر ہلا کر اسے دونوں کاندھوں سے تھام کر کہا نہ میں تمہاری اماں کی قبر پر گیا تھا نہ اپنی اماں کی قبر پر بلکہ میں آج مسٹر عارف کے ساتھ جازی اویس کی قبر پر گیا تھا۔

صفیہ حماد نے تیزی سے اس کے ہاتھ اپنے کاندھوں سے ہٹا دیے تھے اور تقریبا بھاگتے ہوئے سیڑھیاں چڑھتی چلی گئی۔ہائم ہارون اس کے پیچھے نہیں گیا لیکن صبح کے ناشتے پر اس نے دیکھا اس کی آنکھیں سرخ تھیں۔

تم ساری رات روتی رہی ہو۔۔۔ہائم نے پوچھا مگر جواب نہیں دیا اور وہ بضد ہوگیا۔

تم ساری رات کیوں روتی رہی ہو۔

نہیں تو میں روئی نہیں تھی بس رات کو ٹھیک سے نیند نہیں آئی

جھوٹ مت بولو یہ بتاؤ تم آخر جازی اویس کو کب تک روتی رہو گی۔

جازی اویس میں انہیں کیوں رونے لگی انسان تو مرنے والے جی کو روتا ہے یا بچھڑ جانے والی روح کو۔۔میرے ساتھ ایسا کچھ نہیں ہے۔

وہ حیرت سے اسے دیکھنے لگا وہ کیا کہنا چاہتی تھی اس کی آنکھیں اس پر مرکوز تھیں۔آج کا دن اس نے صفیہ کے لیے وقف کر دیا تھا ساری مٹینگز کینسل کر دی تھیں اس لیے بہت توجہ سے اسے دیکھ رہا تھا۔صفیہ حماد نظریں چرانے لگی تھی پھر ہکلا کر بولی۔

یہ آپ ایسے کیوں دیکھ رہے ہیں۔ہائم ہارون

اسے دیکھ کر سنجیدگی سے بولا۔

میں تمہیں اس لیے اسے دیکھ رہا ہوں کیونکہ میں نے خود جازی کی قبر پر فاتحہ پڑھی ہے اور تم ابھی تک اسے زندوں میں شمار کرتی ہو۔

وہ زندہ ہیں ہائم بھائی بس مجھ سے ناراض ہو گئے ہیں۔

اس نے سر ہلایا اس کے ہذیانی انداز کو دیکھنے لگا پھر شام کو وہ اسے سائیکاٹرسٹ کے ساتھ میٹنگ کے لیے لے جا رہا تھا ڈاکٹر روحا کے پاس لے جانے کے لیے اسے جھوٹ بولنا پڑا تھا وگرنہ وہ کبھی راضی نیہں ہوتی۔وہ کسی بھی وقت کسی بھی طرح کاری ایکٹ کر سکتی تھی اس لیے اس نے اس کا ہاتھ تھام کر منت سے کہا۔

پلیز صفیہ کچھ چیزیں جو ہمیں چھوڑ دیں ہمیں بھی انہیں چھوڑ دینا چاہیے دکھوں کو کمزوریوں کے جال سے نکالنے کے امکانات رکھنا چاہئیں۔صفیہ نے کچھ نہیں کہا وہ جیسے

مسمیر یز کیفیت کا شکار تھی ڈاکٹر روحا نے اس سے سٹنگ کی تو بہت سے کمزور لمحوں کے دکھ دل سے باہر آ کر گر پڑے جیسے دل کا دامن چھوٹا پڑ گیا ہو۔ڈاکٹر روحا کی آنکھیں بھی بھیگ گئی تھیں پھر ایک ہفتے بعد وہ مسمریزم کیفیت میں اس لمحے کو دوہرا رہی تھی۔جب جازی اویس کے ایکسیڈنٹ کی اسے خبر ملی تھی اس کی سانس بہت تیز تھی اور وہ کہہ رہی تھی۔

مجھے جب یہ اطلاع ملی جازی کا ایکسیڈنٹ ہو گیا تو میں ننگے پیر اسپتال بھاگی تھی مگر کچھ راستے بہت لمبے ہوتے ہیں اور کچھ دعائیں ادھوری رہنے کے لیے فضا میں بکھرتی ہیں۔میں اس کے سامنے کھڑی تھی اور وہ۔۔۔اس کی آنکھیں مجھ پر جمی ہوئی تھیں پتا نہیں ہم دونوں میں کون مر رہا تھا میں یا جازی لیکن میرا دل پھٹنے والا تھا۔اس نے میرا ہاتھ تھام لیا تھا پھر کراہ کر بولا تھا۔

صفیہ میرا خواب تمہارا ساتھ ہماری خوبصورت شامیں۔پھر وہ کچھ نہیں کہہ سکا اور مجھے لگا میرے خیمہ خواب کو آگ لگ گئی ہے اس کی

کھلی آنکھوں کی حسرت مجھ میں سما گئی تھی میں نے گھر بسانے کی کتنی ہی حسرتیں دل سے باندھی تھیں محبت کے کتنے ہی ادھورے خواب پروئے تھے لیکن جازی نے مجھے جو خواب دیا۔مجھے لگا وہ اس کے مرنے کے بعد بھی زندہ ہے میں تنہا کھڑی تھی مگر مجھے لگا میرے آنچل کو مٹھی میں تھامے جازی کا بچہ لپٹا کھڑا ہے۔

میرے پاس کچھ نہیں تھا مگر سب کچھ تھا میں جازی کی بیوی تھی اور اس کے بچے میرے

اردگرد ٹکٹکی ڈالے پھرتے تھے یہ خواب اتنا گہرا ہے کہ پھر اگر کوئی جازی کی قبر کا تذکرہ کرتا ہے تو مجھے لگتا کوئی میرے مرنے کا مجھے ہی پرسہ دے رہا ہو۔۔۔مگر کوئی نہیں جانتا میرے دل کی تڑپ میرا جازی۔ میرے بچے میرے خواب میرا گھر سب ٹوٹ گیا سب۔۔۔۔ وہ رونے لگی تھی ہچکیاں لے لے کر۔۔۔تبھی ڈاکٹر روحا نیپر وسیجر کے مطابق اسے نیند سے جگا دیا وہ بت کی طرح ساکت بیٹھی تھی ہائم ہارون آدھا دروازے میں کھڑا تھا اور آدھا باہر تھا لیکن اب وہ پورا کا پورا صفیہ حماد کو جان گیا تھا وہ خالی آنکھوں سے دونوں کو دیکھ رہی تھی۔ ڈاکٹر روحا نے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر ڈھارس کی خاطر کہا۔

جو خواب جس مٹی میں کھوئیں انہیں اسی مٹی میں دفنا دینا چاہئیں۔ مٹی سے کبھی نہ کبھی کوئی بیج سر اُبھارتا ہی ہے۔ کونپل کب تناور درخت بن جائے کوئی نہیں جانتا دفنائی ہوئی چیزیں کبھی کبھی ہم سے اگلوں کے لیے خزانے کی طرح دریافت ہوتی ہیں انہیں ان ہاتھوں کا لمس چکھنے دو اور کچھ نئے خواب تراشو جو ہاتھ ہنر مند ہوں ان کے لیے زندگی کے آخری لمحہ سے پہلے درجہ کمال ختم نہیں ہوتا خود کو چانس دو۔

صفیہ حماد نے کچھ نہیں کہا لیکن خاموشی سے کمرے سے پرانی یاد سے منسلک ہر چیز اسٹور روم میں بند کر دی پھر زندگی کو چانس دینے کی سعی کی تھی کہ گھر کے دروازے میں ایک تن فن کرتی لڑکی آن کھڑی ہوئی۔

تم کون ہو۔۔۔اس نے غصیلے لہجے میں کہا وہ مسکرا کر اسے دیکھتی رہی۔ انداز سے جان گئی تھی کہ یہ فائزہ ہائم کے سوا کوئی نہں ہو سکتی۔ ملازم سے اس نے سامان باہر سے اندر لانے کا حکم دے دیا تھا مگر اس کے سوال کا جواب نہیں دیا تب ہی اس نے اس کا بازو پکڑ لیا۔

تم ہی ہو وہ لڑکی جس کی وجہ سے ہائم واپس آنے کا نام نہیں لے رہے۔

جی۔ وہ پچھلے دنوں میری وجہ سے واقعی بہت پریشان رہے ہیں۔ لیکن اب وہ آپ سے ملنے کے لیے اپنی سیٹ کنفرم کروا رہے تھے۔

تم۔۔۔۔۔اب مجھے تم بتاؤ گی کہ وہ مجھ سے کب ملیں گے کب نہیں آخر تم ہو کون۔

میں ان کی خالہ کی بیٹی ہوں۔

خالہ کی بیٹی۔۔۔۔اس نے منہ ٹیڑھا کر کے اسے دیکھا پھر بھنا کر بولی۔

یہ کزن گرلز۔ ساری زندگی بیویوں کے سر پر تلوار کی طرح لٹکتی رہتی ہیں مگر تم دیکھو۔ میں ان باتوں سے گھبرانے والی نہیں ہوں۔ تمہارا نام کیا ہے۔

میرا نام صفیہ حماد ہے ویسے آپ ہمیشہ سے اتنی ہی غصے کی تیز ہیں یا یہ غصہ مجھے دیکھ کر دوچند ہو گیا ہے۔ صفیہ حماد نے ڈاکٹر روحا سے میٹنگ کے ذریعے بہت ساری پرابلمز پر قابو پالیا تھا۔ اس لیے اب بہت کھلے دل سے پرابلم کا سامنا کرتی تھی۔ سو مطمئن انداز میں اس سے بات کر رہی تھی پھر شام تک وہ اسے دریافت کر چکی تھی۔

مگر ہائم ہارون کے آتے ہی اس نے اپنے دماغ کی خرافات سے صفیہ حماد اور انجلینا کو اک ساتھ کھڑا کیا تو وہ بھنا گیا۔

تم پاگل ہو۔ پتا نہیں تم پر مجھے محبت ہونے کا گمان کیوں گزرا تھا تمہارے اندر اتنی فضول سوچیں ہیں۔ حیرت ہوتی ہے ہم دس سال سے کس طرح ایک ساتھ رہے ہیں۔ انجلینا ایک کمزور اور مجبور لڑکی ہے اس کی مدد کر کے میں صرف نیکی کمانا چاہتا ہوں تا کہ میری اور تمہاری زندگی میں کوئی بڑا حادثہ نہ ہو جائے نیکی اچھائی کرنے والا ہمیشہ شک کی نظر سے مر جاتا ہے یا مار دیا جاتا ہے مگر بس یہ سودا میرے خون میں شامل ہے میں اس سے دستبردار نہیں ہو سکتا۔

رہی صفیہ حماد کی بات تو یہ میری بہن ہے۔ یہ صرف میری خالہ کی بیٹی ہی نہیں ہے بلکہ میں اس کا دودھ شریک بھائی ہوں اس قرض کا کوئی ادا ہونے والا چیک ہے تمہاری چیک بک میں۔۔۔۔ فائزہ سے کچھ نہیں بولا گیا صفیہ نے اس کو بانہوں میں بھر لیا تھا۔

وہ روئے جا رہی تھی پھر چپ ہوئی تو اس کی آنکھیں شفاف تھیں اس نے روٹھے شوہر کو دیکھا تھا پھر صفیہ حماد کی طرف دیکھ کر حوصلے کی کمک لے کر وہ اس کے پیچھے پیچھے ٹیرس پر چلی گئی تھی۔ صفیہ حماد کمرے میں آ گئی تھی اس نے وضو کیا پھر نماز پڑھ کر تمام عمر اس رشتے کے تا عمر قائم رہنے کی دعا کی۔

وہ نماز کے بعد کچن میں آ گئی تھی پھر کافی بنا رہی تھی کہ اس کے موبائل پر بیپ ہوئی اس نے ہائم ہارون کا نمبر دیکھ کر حیرت سے ریسیو کیا۔

ابھی تو آپ گھر میں تھے۔ اب کہاں سے بول رہے ہیں۔۔۔ اس نے پوچھا تو فائزہ کی آواز آئی۔

بس دس منٹ میں آتے ہیں اچانک تمہارے بھائی کو یاد آیا ہے کہ آج تمہاری سالگرہ ہے۔

میری سالگرہ۔ تو کیا آج سترہ جولائی ہے۔ اس نے زیر لب دوہرایا۔

اور دوسری طرف سے فون پھر سے ہائم نے لے لیا تھا پھر محبت سے بولا۔

وہ مصروفیت میں یاد نہیں رہا تھا لیکن کل اچانک یاد آیا۔ تمہیں پتا ہے تمہارا ملنا ہمارے لیے کتنا لکی ثابت ہوا ہے۔ ہم جو ایک دوسرے سے دور ہو رہے تھے۔ تمہاری وجہ سے ایک دوسرے کے قریب ہو گئے ہیں۔ میں نے جان کر اسے غلط فہمی میں مبتلا ہونے دیا تھا تا کہ یہ جان سکے اس میں مجھ سے دور ہونے کی ذرا ہمت نہیں ہے۔۔۔۔۔ فائزہ ہنسنے لگی تھی پھر شرارت سے بولی۔

تمہارے بھائی اول درجے کے جھوٹے ہیں

پورے پروگرام کی سیٹنگ ہوئی ہے۔

مگر یہ ضرور ہے اتنے مہینوں کے بعد ہم ایک بات سمجھ گئے۔ اب ہم چاہیں بھی تو ایک دوسرے سے الگ نہیں ہو سکتے صفیہ حماد بھی ہنس کر اس کی خوشی میں شامل ہو گئی تھی۔

پھر ملازم نے کسی رامس آفاق کے آنے کی اطلاع دی تھی۔

یہ شخص پچھلے کئی مہینوں سے اسے تنگ کر رہا تھا۔ مسڈ کالز دے دے کر باہر نکلتے ہی اس کو جانے کیسے خبر ہو جاتی کہ وہ دائیں بائیں نظر آنے لگتا وہ کچھ کہنا چاہتی مگر پھر خاموش رہ جاتی

ہائم ہارون کو اب وہ پریشان نہیں کرنا چاہتی تھی۔

تم۔۔۔۔۔تم میرے گھر تک کیوں چلے آئے۔

اس لیے شریفوں کا یہی شیوہ ہے۔میں آپ کا ہاتھ مانگنا چاہتا ہوں۔

اس نے قدرے شوخی سے جواب دیا وہ پزل ہوگئی بہت سارا وقت گزر گیا۔پھر وہ کچھ سوچ کر کچھ کہنے والی ہی تھی کہ ہیپی برتھ ڈے کا شور سن کر حیران رہ گئی۔ہائم ہارون فائزہ اور اپنے قریبی دوستوں کے ساتھ ڈرائینگ روم کے دروازے پر کھڑا تھا۔

گرل اتنی حیرت اچھی نہیں۔تم نے دنیا کو اور دنیا نے تمہیں بہت بھگتا لیا۔۔۔اس لیے میری خواہش ہے اب زندگی جینے کی کوشش کرو۔

قریب آ کر دونوں ہاتھوں سے اسے تھام لیا پھر جتانے والے انداز میں بولا۔

ان سے ملیے یہ میری بہت پیاری سی بہنا ہیں۔

پاکستان میں میرے لیے قیام کی وجہ اور اس کی دعائیں میرے لیے سب سے قیمتی ہیں جنہیں میں کبھی کھونا نہیں چاہتا۔

فائزہ ٹیبل پر کیک سجا رہی تھی ڈرائینگ روم پر اس نے قدرے غور کیا صبح سے یہاں اس کا آنا نہیں ہوا تھا۔سو اب محسوس ہو رہا تھا کہ ڈرائینگ روم بہت زیادہ ڈیکوریٹ کیا گیا تھا وہ یکدم ہلکی پھلکی ہوگئی تھی فائزہ کیک پر موم بتیاں سجا رہی تھی اور جانے کب وہ اجنبی اس کے قریب آ کھڑا ہوا تھا۔

مجھے اس قسم کی محبتوں بھری محفل میں شریک ہونے کا بچپن سے شوق تھا لیکن یو کے میں وقتی طور پر ہو رہا تو ہوتی تھی لیکن محبتوں کا اتنا خالص اظہار۔وہ مڑ کر کچھ کہنا چاہتی تھی مگر اس کے چہرے پر پھیلے تاثرات دیکھ کر رک گئی۔وہ لطف لے رہا تھا ماحول سے اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہہ پاتی فائزہ اس کے کان میں گنگنائی۔

تمہیں رامس اچھا نہیں لگا تمہارے بھائی کا خیال تھا تم ان کی پسند سے روگردانی نہیں کر سکتیں اور رامس صاحب چاہتے تھے وہ ارینج میرج نہیں کریں گے مگر تم نے بھی خوب انہیں دوڑایا۔۔۔۔۔وہ ہنسنے لگی۔

اور اس کی نظر ہائم پر جا کر رک گئی جو دوستوں کے جھرمٹ میں کھڑا خوش گپیوں میں مصروف تھا اور اس نے رامس کا ہاتھ تھام رکھا تھا پھر اس کے کانوں نے سنا وہ بڑے زعم سے کہہ رہا تھا۔

وہ میری بہن ہے میری مرضی کے خلاف نہیں جا سکتی جو گزر گیا اس سے قطع نظر اب وہ پوری کی پوری میری بہن ہے۔۔میرں طرح سر پھری نخریلی۔اب تم بتاؤ تمہیں اب بھی قبول ہے۔رامس نے ہنستے ہوئے ایک نظر اس کی طرف دیکھا اور پھر بہت رسان سے بولا۔

مجھے وہ ہر حالت میں قبول ہے جو گزر گیا اس پر میرا کوئی اختیار نہیں مگر آگے کے سارے اختیار اس کے ہاتھ میں دینا اچھا لگے گا۔

ہائم کے چہرے پر آسودگی در آئی تھی کیک سامنے رکھا تھا۔سب اٹینشن تھے اس نے کیک

کاٹا پہلا ٹکڑا اس نے ہائم کی طرف بڑھایا تھا۔ ہائم نے اس ٹکڑے کا ہلکا سا بائیٹ لیا پھر پہلے صفیہ کو کھلایا پھر فائزہ کو۔آخر میں کچھ نہیں بچا تو رامس کے لیے الگ سے ٹکڑا کاٹا پھر یکدم صفیہ کی طرف بڑھا دیا۔

بھئی یہ تمہارے مہمان ہیں تم بھگتو۔۔۔۔صفیہ نے گھور کے دیکھا مگر وہ کندھے اچکا کر فائزہ کو دیکھنے لگا فائزہ نے ہائم کا ہاتھ جکڑ رکھا تھا۔صفیہ کو ہنسی آ گئی۔وہ اس کے کان میں بولی۔

کھلا رہی ہوں اسے مگر میرے بھائی پر تشدد تو مت کرو اتنی زور سے ہاتھ بھینچے ہیں۔

فائزہ کی مسکراہٹ بہت جاندار تھی۔وہ رامس کو کیک کھلانے کے لیے مڑی تو اس نے ہائم کو دیکھ کر ادا سے کہا۔

بس ہو گئی آپ کی خواہش پوری۔اب ہے کوئی جو آپ کے لیے مجھ سے جواب طلب کر سکتی ہے خود آپ کی پرواہ مجھ سے بڑھ کر کرنے والی ہے۔ہائم کی آنکھوں میں مسکراہٹ تیرنے لگی تھی اور رہی صفیہ حماد۔

تو مسکراہٹ اس کے چہرے کا احاطہ کیے بنا کیسے پلٹ سکتی تھی وہ رامس سے باتوں میں مصروف تھی جو اچھی زندگی گزارنے کے پلان بنا رہا تھا اور وہ بیدھیانی میں جازی اویس کو مس کرنے لگی تھی۔آنکھوں میں کہیں سے نمی سی آ گئی تھی۔کہ رامس نے اس کا ہاتھ تھام لیا پھر حوصلے سے بولا۔

جازی اویس اور تمہارے ادھورے خواب مجھے تمہارے ساتھ قبول ہیں۔پوری کی پوری

تم قبول ہو۔بس اتنا کہہ دو تم میرا ساتھ دو گی میرے خواب تمہارا ساتھ اور ہماری خوبصورت شامیں سب کسی بہت اچھے دن پر ادھار ہیں۔کیا وقت کو یہ قرض اُتارنے کا حق نہیں دو گی۔وہ کچھ نہیں بولی مگر پوری کی پوری اس کی التجا میں سمٹ گئی۔

وقت پر جو کچھ ادھار تھا وہ سب کچھ زندگی جھولی میں لے کھڑی تھی اور وہ انکا نہیں کرنا چاہتی تھی۔

ہائم بھائی جا جو فیصلہ ہے وہی میری مرضی ہے۔

بہ دقت اس نے کہا اور وہ خوشی سے جھوم گیا یکدم محبت کی گرمجوشی کے ملن سے اس کی زندگی میں ایک دریچہ کھل گیا تھا۔جہاں سے سبز موسم خوشبو اور رنگ سے گلے ملتے ہوئے اس کی زندگی مین چلے آئے تھے اس نے خوشگوار احساس سے کرسی پر بیٹھ کر رامس فائزہ اور ہائم کو دیکھا۔

تینون چہرے خوشی سے جگمگا رہے تھے۔اس نے اندر جھانکا۔جازی کا دکھ ایک کونے میں آنکھ بند کیے بیٹھا تھا بظاہر یہ دکھ بھلایا نہیں جا سکتا مگر ساری زندگی اس دکھ کی نذر بھی تو نہیں کی جا سکتی تھی اتنے مسکراتے چہرے اداس کرنے کا اس میں حوصلہ نہیں تھا۔

اور زندگی اور محبت اتنے بخیل نہیں تھے کہ اس کے پھیلے دامن کو خالی رہنے دیتے۔سواسی امکان پر اس نے زندگی جینے کا ایک چانس لیا تھا راستے خود بخود بنتے چلے جاتے۔

کہ یہی ہوتا ہے۔

اختتام-----------------------The End